باب چہارم

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

اور اس کا

مؤسّس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojara

- فکر قرآنی کے چار سلسلوں کا قِران
- چاروں سلسلوں کی بعض اہم شخصیّتوں سے ذاتی روابط ——— اور
- دو اہم شخصیتوں سے وصل و فصل کی داستان۔

© rasailojara

اِن سطور کے ناکارہ و ناچیز راقم کو اپنی اس خوش بختی پر ناز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نوجوانی ہی کے دَور میں ایسے مواقع پیدا فرما دیئے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنی بساط کے مطابق "فکرِ قرآنی" کے متذکرہ بالا تینوں درمیانی دھاروں سے متعارف و مستفید ہوا بلکہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے اور مولانا شبیّر احمد عثمانیؒ کے حواشی کی وساطت سے اس کا ذہنی رشتہ کم از کم تفسیرِ قرآن کی حد تک ان علماءِ ربّانیین کے حلقے سے بھی قائم ہو گیا۔ جو بلاشبہ "اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ" کہلانے کے مستحق ہیں ——— نتیجتہً بفضل اللہ وعونہٖ اس کی ذات میں بقدرِ وسعتِ ظرف ان "انہارِ ثلٰثہ" کے ساتھ ساتھ یہ چوتھا چشمۂ صافی بھی رواں دواں ہے ——— فللّٰہ الحمد والمنّۃ۔

جذباتی سطح پر راقم کی شخصیّت پر سب سے پہلی اور سب سے گہری چھاپ علاّمہ اقبال مرحوم کے اردو کلام کی ہے۔ چنانچہ ہائی اسکول کا پورا زمانۂ طالب علمی (۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۷ء) احقر نے بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کے اشعار پڑھتے اور گنگناتے ہوئے بسر کیا جس سے ایک جذبۂ ملّی اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور چونکہ اس وقت اس جذبے کے مظہرِ اتم کی حیثیّت تحریکِ پاکستان کو حاصل تھی لہٰذا اس دَور میں اپنی بساط کے مطابق عملی وابستگی تحریکِ مسلم لیگ کی تنظیمِ طلبہ یعنی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ساتھ رہی۔ تاہم اسی دَور کے اواخر میں راقم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے بھی متعارف ہو چکا تھا اور "الہلال" اور "البلاغ" والے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے بھی ——— مولانا مودودی کی تحریروں میں سے یوں تو جو کچھ بھی اس وقت پڑھنے میں آیا بھلا ہی لگا لیکن الحمدللہ کہ ان کے ساتھ راقم کا اصل ذہنی و قلبی رشتہ "تفہیم القرآن" کے ذریعے قائم ہوا جس کے ضمن میں تقسیمِ ہند

© rasailojaraid.com

کے قریب کے زمانے میں ماہنامہ 'ترجمان القرآن' میں تفسیر سورۂ یوسف شائع ہو رہی تھی۔ اس ذہنی و قلبی تعلّق کی گہرائی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تقسیمِ ملک کے ہنگاموں اور آگ اور خون کی وادیوں سے گزر کر جیسے ہی پاکستان پہنچنا نصیب ہوا، راقم ان کی تحریک سے وابستہ ہو گیا اور ایک جانب تو اس نے چند ماہ کے اندر اندر ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اس طور سے پڑھ ڈالا کہ مولانا محمّد اسماعیل گوجرانوالویؒ کے الفاظ میں نہ صرف یہ کہ ان کی تصانیف کا "فارغ التحصیل" ہو گیا بلکہ ان کا "مُدرّس" بھی بن گیا۔ اور دوسری طرف زمانہ طالب علمی کے بقیہ سات سال (۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۴ء) ان کی تحریکِ اسلامی کے نذر کر دیئے اور اپنی بیشتر قوتیں اور توانائیاں اسلامی جمعیّتِ طلبہ کے ساتھ عملی وابستگی میں کھپا دیں ــــ اس دَور کے تقریباً وسط میں (۵۰-۱۹۵۱ء کے لگ بھگ) راقم کا ذہنی رابطہ مولانا امین احسن اصلاحی سے قائم ہوا۔ مولانا کی تحریروں کے بارے میں جماعتِ اسلامی کے حلقوں میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ وہ ثقیل بھی ہوتی ہیں اور خشک بھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو قلبی انس راقم کو اس وقت تک قرآن مجید کے ساتھ حاصل ہو چکا تھا اس کی بناء پر اسے ان تحریروں میں نہ ثقل کا احساس ہوا نہ خشکی کا۔ مولانا کی تحریریں بھی یوں تو راقم نے سب ہی پڑھ ڈالیں لیکن ان کی دو تصانیف سے تو اسے عشق کی حد تک لگاؤ ہو گیا۔ ایک 'دعوتِ دین اور اُس کا طریقِ کار' اور دوسری 'تدبّرِ قرآن' (جواب 'مبادیٔ تدبّرِ قرآن' کے نام سے مطبوعہ موجود ہے) مولانا کی ان تصانیف کے مطالعے سے بلا شائبہ ریب و شک راقم کے قرآن حکیم کے ساتھ ذہنی تعلّق میں ایک نئے بُعد و عرض (DIMENSION) کا اضافہ ہوا اور پھر جب ۱۹۵۴ء کے لگ بھگ مولانا کا ترجمہ کردہ 'مجموعۂ تفاسیرِ فراہی' شائع ہوا تب تو راقم کو تفسیرِ قرآن کے اس مکتبِ فکر کے اصل منبع و سرچشمہ تک رسائی حاصل ہو گئی فللّٰہ الحمد ـــــ اسی زمانۂ طالبِ علمی کے دَوران احقر حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے اور مولانا شبّیر احمد عثمانیؒ کے حواشی ـــ سے متعارف ہوا (یاد ہو گا، اس کا ایک نہایت اعلیٰ اور حسین و جمیل ایڈیشن کراچی کے بعض اہلِ خیر نے ہانگ کانگ سے طبع کرا کے مفت تقسیم کیا تھا جو بعد میں فی نسخہ پانچ روپے سے لے کر تیس ۳۰ روپے تک میں فروخت بھی ہوتا رہا!) مولانا عثمانیؒ کے بظاہر حد درجہ سادہ و سلیس حواشی

© rasailojaraid.

میں راقم کو فکر و نظر کی جو گہرائی اور گیرائی نظر آئی اور خصوصاً احوالِ باطنی کی جو چاشنی یا بالفاظِ دیگر تصوف کی جو حلاوت محسوس ہوئی اس سے اس کی 'نسبتِ قرآنی' کو بفضل اللہ تعالیٰ وعونہٖ عرضِ ثالث (THIRD DIMENSION) عطا ہو گیا ——— اور ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ زمانۂ طالب علمی ہی میں اس عاجز و ناکارہ کو نہ صرف یہ کہ قرآنِ حکیم کے ساتھ ایک اُنسِ قلبی عطا ہو گیا اور مناسبتِ ذہنی حاصل ہو گئی بلکہ ایک نسبتِ روحانی بھی نصیب ہو گئی اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے (تعلیم و تعلّم) کا ایک شدید داعیہ بھی اس کے باطن میں پیدا ہو گیا چنانچہ اوّلاً جمعیتِ طلبہ کے حلقوں میں اور پھر جماعتِ اسلامی کے ساہیوال اور اوکاڑہ کے حلقے میں اس کے 'درسِ قرآن' کا چرچا ہو گیا۔ اور اس کے بارے میں بالعموم ایک خوشگوار حیرت (PLEASANT SURPRISE) کا سا تاثر ظاہر کیا جانے لگا ——— دورِ طالب علمی کے اختتام کے تقریباً معاً بعد راقم کا تعارف ایک[1] تو ڈاکٹر رفیع الدّین مرحوم سے ان کی تالیف 'قرآن اور علمِ جدید' کی وساطت سے ہوا اور دوسرے[2] ایک بالکل 'دوسرے' علّامہ اقبال سے ان کے خطبات 'RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM' کے حوالے سے اور راقم کو اس اعتراف میں ہرگز کوئی باک نہیں کہ اس سے اس کے مطالعۂ قرآن کو وہ 'بُعدِ رابع' (FOURTH DIMENSION) ملا، جس کی اہمیّت زمانۂ حال کے اعتبار سے پہلے تینوں اعراض و ابعاد سے کسی طرح کم نہیں ——— اب خواہ اسے کوئی بانداز تحقیر راقم کے مطالعۂ قرآن کا 'حدودِ اربعہ' کہہ لے خواہ بطرزِ استہزاء اسے اس کا 'مبلغ علم' قرار دے لے، بہرحال واقعہ یہی ہے کہ راقم کی قرآنی 'سوچ' کا اصل تانا بانا ان ہی 'ابعادِ اربعہ' سے تیار ہوا ہے جن کی محکم اور پختہ اساسات ۶۱-۱۹۶۲ء کے آس پاس قائم ہو چکی تھیں جبکہ راقم کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔ بعد کے چودہ پندرہ سالوں کے دوران اللہ کا فضل و کرم ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان اساسات میں سے کوئی بھی منہدم تو کجا مضمحل یا شکستہ تک نہیں ہوئی بلکہ بحمد اللہ چاروں ہی کو مسلسل تقویّت ملتی رہی اور استحکام حاصل ہوتا رہا۔ اور بجائے اس کے کہ : ع

"جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اُسے صاف دل سے بھلا دیا!"

کے مصداق کسی نئے زاویۂ فکر سے متعارف ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا کہ پچھلی سوچ اور اس سے حاصل

© rasailojaraid

شدہ نتائج بالکل زائل ہو جاتے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہر نیا اندازِ فکر سابق فکر میں ایک ارتقائی شان پیدا کرتا چلا گیا۔ اور یہ عمارت اپنے اطراف و جوانب سمیت بلند ہوتی گئی ــــــ اس ہمہ جہتی استحکام وارتقاء کے ضمن میں واقعہ یہ ہے راقم سب سے بڑھ کر مرہونِ منّت ہے علامّہ اقبال مرحوم کے فارسی کلام کا۔ جس کے اعتبار سے علامّہ موصوف یقیناً 'رومیٔ ثانی' بھی ہیں اور مجسّم 'ترجمان القرآن' بھی۔ اور اس سلسلے میں شدید ناانصافی ہو گی اگر ذکر نہ کر دیا جائے کہ ابتدائی پانچ سالوں کے دوران راقم کو فائدہ پہنچا مولانا برکات احمد خاں مرحوم (ٹونکی ثم ساہیوالی) کی ہمنشینی سے اور بعد کے دس سالوں کے دوران فیض حاصل ہوا پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم و مغفور کی صحبت سے

الغرض ــــــ راقم کے فکر و نظر پر 'ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ' کے مصداق ابتدائی اور تکمیلی چھاپ تو ہے علامّہ اقبال مرحوم کی ــــ ان میں سے ابتدائی تاثر زیادہ تر جذباتی ہے جس کا حاصل ہے 'جذبۂ ملّی' اور تکمیلی رنگ خالص فکری ہے جس کا موضوع ہے فکرِ جدید کے پس منظر میں قرآنِ حکیم کا مطالعہ یا قرآن حکیم کی روشنی میں فکر جدید کا جائزہ و تجزیہ ــ اور ان کے مابین رواں ہیں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کی 'قرآنی دعوتِ جہاد و انقلاب' اور امام حمید الدّین فراہیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی کے 'طریقِ تدبّر قرآن' اور حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے 'علم راسخ' کے کوثر و تسنیم ایسے چشمے ــــــ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؁

راقم حیران ہے کہ کس منہ سے اور کن الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کرے۔ ایک ان پڑھ یا نیم خواندہ انسان پر جسے اپنی نسبتِ 'اُمیّت' پر فخر ہے انعامات و اکرامات کی یہ بارش! بقول ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم ؏

"اِک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں!"

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

برِّصغیر پاک و ہند کے بیسویں صدی عیسوی کے "فکرِ قرآنی" کے متذکرہ بالا "سلاسلِ اربعہ" کے اعاظمِ رجال اور "السابقون الاوّلون" کی اکثریّت کا انتقال تو راقم الحروف کی پیدائش یا شعور کی عمر کو پہنچنے سے قبل ہو چکا تھا لہٰذا ان کی زیارت سے تو محرومی ہی رہی۔ البتہ ان کے "متّبعین باِحسان" کی اکثریّت کے ساتھ قریبی تعلّق بلکہ ذاتی و نجی روابط کی سعادت اس عاجز کو حاصل رہی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال راقم کی پیدائش سے لگ بھگ بارہ ۱۲ سال قبل ہو چکا تھا اور ان کے ساتھ راقم کا ذہنی و قلبی رشتہ کُل کا کُل "غائبانہ" ہے۔ بایں ہمہ ان کی عظمت کے جو نقوش اس عاجز کے قلب پر کندہ ہیں اُن کو الفاظ کا جامہ پہنانا نہایت مشکل نظر آتا ہے۔ مختصراً یہ کہ راقم کو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جامعیّتِ کبریٰ کا عکسِ کامل اُن کی شخصیّت میں نظر آتا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ امامُ الہند کی جامعیّت کا مظہر ان کی تصانیف ہیں اور شیخ الہندؒ کی جامعیّت کا ظہور ان کے تلامذہ میں ہُوا۔ اگر یہ اُصُول درست ہے اور لازماً درست ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ذرا پہچاننے کی کوشش کیجئے اس شخص کی عظمت کو جس کا جانشین جہادِ حُریّت اور تحریکِ استخلاص وطن کے میدان میں ہوا مولانا حسین احمد مدنیؒ ایسا مجاہدِ اعظم۔ اور حدیث، فقہ، اُصُول اور کلام کے میدان میں ہوا مولانا سیّد انور شاہ کاشمیریؒ ایسا نابغۂ روزگار انسان۔ اور جس کے فہمِ قرآن اور جذبۂ ملّی کا ظہور ہوا مولانا شبیّر احمد عثمانیؒ ایسی عظیم شخصیّت میں اور جس کے انقلابی کردار نے رُوپ دھارا مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم ایسے سیماب وَش انسان کا۔

راقم کا ذاتی احساس یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیّت کو ان کے اپنے حلقے کے لوگوں نے بھی کماحقّہٗ نہیں پہچانا ——— ورنہ ذرا غور کیا جائے تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ چودھویں صدی ہجری کے مجدّد وہ ہیں! ——— واللہ اعلم!

مولانا شبیّر احمد عثمانیؒ کا انتقال تو اگرچہ راقم کے سنّ شعور کو پہنچنے کے بعد ہوا لیکن افسوس کہ ان کی زیارت سے بھی محرومی ہی رہی۔ تاہم ایک خیال اطمینانِ قلب کا موجب بنتا ہے اور وہ یہ کہ اگر ذرّے کو آفتاب سے کوئی نسبت ہوسکتی ہے تو اس عاجز کو بھی ان کے ساتھ ایک نسبتِ معنوی حاصل ہے۔ بایں طور کہ جب وہ تحریکِ پاکستان کے صفِ اوّل کے قائد کی حیثیّت سے ہندوستان کے طول وعرض کا دورہ کر رہے تھے تو یہ خاکسار بھی خواہ ایک طفلِ مکتب کی

© rasailojaraid

حیثیت ہی سے سہی مشرقی پنجاب کے ایک ضلع (حصار) کے مختلف قصبات (سرسہ، ہانسی وغیرہ) کے ہائی اسکول کے طلبہ کے مابین ایک رابطہ استوار کرنے کی سعی میں مشغول تھا ——— بعد ازاں ان کے تفسیری حواشی کی بدولت ان کی جو معنوی صحبت حاصل رہی اس کا ذکر اُوپر ہو ہی چکا ہے۔

مولانا عثمانی رح کے رفیقِ کار اور معتمدِ خاص مولانا مفتی محمّد شفیع رح سے ملاقات کا شرف البتہ راقم کو حاصل رہا اور ان کی شفقت و محبّت سے بھی اس عاجز نے حصّہ پایا۔ مولانا انور شاہ کاشمیری رح کے شاگردِ رشید مولانا محمّد یوسف بنّوری رح کی نیازمندی کی سعادت بھی راقم کو حاصل رہی اور اُن کی شفقت اور نظرِ کرم بھی اس ناچیز کا سرمایۂ افتخار رہی۔ حضرت شیخ الہند رح کے فیض کے دوسرے دو چشموں سے بھی راقم بحمد اللہ بیگانہ و نابلد نہیں۔ مولانا حسین احمد مدنی رح کے خلیفہ مولانا سیّد حامد میاں مدّظلّہ، اور مولانا سندھی مرحوم کے شاگردِ رشید مولانا احمد علی لاہوری رح کے خلفُ الرّشید مولانا عبید اللہ انور رح کی یا منزوی اور گوشہ گیر ہے اُن کی خدمت میں حاضری کا شرف بھی راقم کو حاصل رہا گویا: "الرّاسخون فی العلم" کے اس سلسلے کے ساتھ راقم کا معاملہ اس عربی شعر کے مصداق رہا کہ ؎

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ لَعَلَّ اللہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحاً

علّامہ اقبالؔ کے انتقال کے وقت بھی راقم کی عُمر چھ برس تھی لیکن اب یہ بات خود اس عاجز کو نہایت عجیب اور حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے انتقال کو راقم نے ایک ذاتی صدمے کی حیثیت سے محسوس کیا تھا۔ اس کی ایک ہی توجیہ ممکن ہے اور وہ اس حدیثِ نبوی ؐ کی روشنی میں کہ اِس عالمِ فانی میں آنے سے قبل عالمِ ارواح میں جن ارواح کے مابین اُنس پیدا ہو جاتا ہے اُن کے مابین مودّت کا رشتہ اِس عالمِ اجساد میں بھی برقرار رہتا ہے ——— بہرحال علّامہ مرحوم کے ساتھ راقم کا قلبی تعلّق کم و بیش "مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ" والا ہے۔ اور اُوپر عرض کیا ہی جا چکا ہے کہ راقم کے شعور کی تحتانی سطحوں میں سے سب سے نچلی تہہ پر نقوش ثبت ہیں علّامہ مرحوم کے اُردو اشعار کے اور اس کے فکر کی بلند ترین سطح پر کندہ ہیں نقوش اُن کے فارسی کلام کے۔

یہی وجہ ہے کہ جب راقم کی ملاقات فلسفۂ اقبال کے مُدوّن و شارح' اور 'حکمتِ اقبال' کے مصنّف ڈاکٹر رفیع الدّین مرحوم سے ہوئی تو دونوں ہی نے یہ محسوس کیا کہ وہ ایک دُوسرے سے

© rasailojaraid.com

بہت پہلے سے واقف ہیں۔ اور جب بھی گفتگو ہوئی یہی محسوس ہوا کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا ۔۔۔۔۔۔ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

۱۹۶۷ء سے ۱۹۶۹ء تک تقریباً ڈھائی سال نہایت قریبی تعلّق راقم کو ڈاکٹر صاحب مرحوم سے حاصل رہا۔ (میثاق، کے اس دَور کے فائل اس پر شاہدِ عادل ہیں!) اُس زمانے میں "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، کرنے کا اصل کام" راقم کے قلم سے نکل کر شائع ہو چکا تھا۔ اس کی حرف بحرف تصویب ڈاکٹر صاحب نے فرمائی اور 'میثاق' کے لیے اپنی تصنیف 'MANIFESTO OF ISLAM' کا ترجمہ اُردو میں خود ہی کرنا شروع کر دیا۔ جس کی چند ہی قسطیں چھپنے پائی تھیں کہ ؎

"آں قدح بشکست و آں ساقی نماند"

والا معاملہ ہو گیا۔ یغفر اللہ لنا ولہ' ویدخلہ فی رحمتہ۔

اسی طرح کلامِ اقبال کے شارح پروفیسر یُوسف سلیم چشتی مرحُوم و مغفور سے جو ذاتی ربط و تعلّق ۱۹۶۶ء میں استوار ہوا تھا وہ بحمداللہ ان کی وفات تک قائم رہا (یہاں تک کہ بعض واقفینِ حال تو واقعتہً حیرت کا اظہار کرتے رہے کہ پروفیسر صاحب ایسے نازک طبع اور تنک مزاج بزرگ سے راقم کا تعلّق کیسے نبھ رہا ہے) پروفیسر صاحب نے راقم کی تحریر "نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کی جو مفصّل تائید و تحسین تحریر کی تھی وہ تو بہت سے لوگوں کے علم میں ہے' زبانی جو کچھ فرمایا تھا اسے اس خوف سے نقل نہیں کر سکتا کہ اسے خود ستائی پر محمول کیا جائے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا انتقال ویسے تو ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ لیکن راقم کو جس ابوالکلام سے دلچسپی تھی یا ہے یعنی 'الہلال' اور 'البلاغ' والا ابوالکلام جس کے بارے میں کمالِ وسعتِ ظرف کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا تھا حضرت شیخ الہندؒ نے کہ "اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا!" وہ واقعتہً ۲۱-۱۹۲۲ء کے لگ بھگ ہی وفات پا چکا تھا اور اس کے معنوی خلیفہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے جب اس کے ترک کردہ مشن کی تکمیل کا بیڑا اُٹھایا تو اُسے بجا طور پر اس کی زندگی ہی میں "مرحوم" قرار دے دیا تھا ۔۔۔۔۔۔ تاہم مولانا مرحوم کو دیکھنے کی تمنّا راقم کے دل میں مستقل طور پر رہی جسے دو ملکوں کے فاصلے نے بالآخر ۱۹۵۸ء میں حسرت میں تبدیل کر دیا۔

© rasailojaraid.com

عجیب اتفاق ہے کہ جس سال مولانا مودودی نے مولانا آزاد مرحوم کی تفسیر کے ہم نام ماہنامے 'ترجمان القرآن' کی ادارت سنبھالی وہی راقم کا سنِ پیدائش ہے اور مولانا آزاد کے انتقال کا زمانہ لگ بھگ وہی ہے جب کم و بیش دس سال کی ہم سفری کے بعد راقم کی راہ مولانا مودودی کے راستے سے جُدا ہوئی۔

مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے ساتھ راقم کے وصل و فصل کی داستان نہایت طویل ہے۔ مختصر یہ کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک نہایت قریبی تعلق راقم کو مولانا کے ساتھ حاصل رہا۔ ان میں سے ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۳ء تک کے دو سالوں کے دَوران جبکہ راقم اسلامی جمعیّتِ طلبہ کے صفِ اوّل کے کارکنوں میں سے تھا، مولانا سے قُرب کا یہ عالم تھا کہ راقم جب چاہتا تھا مولانا کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا یہاں تک کہ بعض اوقات فوری مشورے کے لیے راقم الحروف نے مولانا سے نصف شب کے لگ بھگ اُن کی خوابگاہ میں بھی ملاقات کی۔ ۱۹۵۵ء میں راقم جماعتِ اسلامی کا رکن بنا اور بد قسمتی سے اس کے فوراً بعد ہی اس نے شدّت کے ساتھ محسوس کر لیا کہ جماعتِ اسلامی کی تحریک اپنی اصل اساسات سے منحرف ہو چکی ہے۔ اواخر ۱۹۵۶ء میں راقم نے اپنا وہ مفصّل بیان سپردِ قلم کیا جو اب 'تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ' کے نام سے مطبوعہ موجود ہے' فروری ۱۹۵۷ء میں اجتماعِ ماچھی گوٹھ میں راقم نے اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اور حالات کی ستم ظریفی نے اس وقت صورت کچھ ایسی پیدا کر دی کہ گویا مولانا 'لیڈر آف دی ہاؤس' تھے اور یہ خاکسار 'لیڈر آف دی اپوزیشن'! چنانچہ راؤ خورشید علی خان مرحوم نے جو اس زمانے میں جماعتِ اسلامی کی صفِ اوّل کے قائدین میں سے تھے، بھرے اجلاس میں باقاعدہ یہ الفاظ کہے بھی تھے کہ "ڈاکٹر اسرار کو لیڈر آف دی اپوزیشن کی حیثیّت حاصل ہے' انہیں اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کے لیے پُورا وقت ملنا چاہیئے!" بہر نوع اپریل ۱۹۵۷ء میں راقم نے جماعت کی رکنیّت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور اس طرح وہ دس سالہ تعلّق ختم ہو گیا —— اب اس 'فصل' کو بھی بیس (۲۰) برس ہونے کو آئے ہیں' اور اس دَوران میں بھی اُونچ نیچ کے بہت سے ادوار آئے لیکن ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ؎

بس اتنا سا تعلّق اب اُن سے رہ گیا ہے ۔۔۔ وہ مجھ کو جانتے ہیں مَیں اُن کو جانتا ہوں

آج سے تقریباً دس سال قبل جب رحیم یار خاں میں جماعتِ اسلامی سے علیٰحدہ ہونے والے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

چند حضرات کے اجتماع میں "ایک نئی اسلامی تنظیم" کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ راقم نے بعض معروضات 'میثاق' کے صفحات میں مولانا مودودی کی خدمت میں پیش کی تھیں ——— راقم کے احساسات اب بھی بالکل وہی ہیں اور اب جبکہ 'تنظیم اسلامی' کے نام سے ایک چھوٹا سا قافلہ دوبارہ تشکیل پا کر سفر کا آغاز کر چکا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان معروضات کو من وعن دہرا دیا جائے ——— وَھُوَ ھٰذَا:

"اس موقع پر بالکل ذاتی حیثیت میں ایک گذارش راقم الحروف جماعت اسلامی کے بزرگوں خصوصاً مولانا مودودی کی خدمت میں کرنا چاہتا ہے۔ گذشتہ ڈیڑھ دو سال کے دوران راقم الحروف کے بعض اقدامات اور اس کی بعض تحریروں سے یقیناً آپ کو شدید تکلیف پہنچی ہو گی، لیکن خدا شاہد ہے کہ دل کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی ان میں سے کسی اقدام یا تحریر سے آپ کی دل آزاری ہرگز مقصود نہ تھی۔ راقم الحروف کے دل میں اظہار حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ آپ ہی کی تحریروں سے پیدا ہوا۔ اسی جذبے سے سرشار ہو کر طالب علمی کے قیمتی اوقات اور عمر عزیز کے بہترین لمحات آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر جدوجہد کی نذر کیے۔ پھر جب محسوس ہوا کہ آپ غلط رُخ پر چل نکلے ہیں تو ایک بیان کی صورت میں اپنے خیالات کو قلم بند کیا اور آپ سے درخواست کی کہ: "اپنی تو کوئی ایسی خدمت نہیں ہے جس کا واسطہ دے سکوں، آپ ہی کی شفقتیں اور عنایتیں ہیں جن کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے اس بیان کو پڑھ ضرور لیں" ——— ماچھی گوٹھ کے بھرے اجتماع میں سٹیج پر اعلان کیا کہ: "اگرچہ مجھے اپنے موقف کی صحت کا یقین ہے اور امیر جماعت کی طویل تقریر میں مجھے کوئی روشنی نظر نہیں آئی۔ تاہم میں جماعت میں شامل رہوں گا اس لیے کہ اس کے بغیر میں اپنے وجود کا تصور بھی نہیں کر سکتا" لیکن پھر جب کچھ آپ کی 'عنایتوں' میں مزید اضافہ ہوا اور آپ نے اہل اختلاف پر 'ضعف ارادہ بسیط اور ضعف ارادہ مرکب' کی پھبتیاں چست کرنی شروع کیں اور کچھ یہ محسوس ہوا کہ جماعت میں عضو معطل کی حیثیت سے رہنا آخر چہ سود؟ تو یہ کہتے ہوئے ایک بھاری دل کے ساتھ جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی کہ: "میں جانتا ہوں کہ جماعت کے بہت سے بزرگ مجھ سے بزرگانہ شفقت کا اور کتنے ہی ارکان و متفق مجھ سے حقیقی محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ جب میں سوچتا ہوں کہ آج اپنے اس اقدام سے میں نہ معلوم کتنوں کے جذبات مجروح کروں گا تو اپنے ہی آپ میں ایک ندامت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس اقدام پر مجبوراً اس لیے آمادہ ہو گیا کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا"! علیحدہ ہونے کے بعد بھی کم وبیش پانچ سال تک شدید اختلاف کے باوجود آپ کے ساتھ وہی قلبی تعلق قائم رہا جو ایک احسان مند کا اپنے محسن سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں حج کے لیے روانہ ہونے سے قبل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس قلبی کیفیت کا اظہار بھی کیا تھا۔ افسوس کہ اس کے فوراً بعد آپ کے ۲ اقدامات یعنی ایک 'غلافِ کعبہ' کے سوانگ اور دوسرے سہروردی مرحوم سے ربط و تعلق کی بدولت دل کی یہ کیفیت برقرار نہ رہ سکی اور ذہنی دوری کے ساتھ ساتھ ایک ایسا قلبی بُعد بھی قائم ہو گیا جس میں رنج کے ساتھ غصے کی بھی آمیزش تھی۔ اب

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"خلافت و ملوکیت" لکھ کر عمر کے آخری حصّے میں جو کمائی آپ نے کی ہے اُس کی وجہ سے غصّے کی جگہ حسرت نے لے لی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے دِل کانپنے لگتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلنے لگتی ہے کہ:۔۔۔۔۔۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ بایں ہمہ اب جب کہ ہم آپ کے کچھ قدیم ساتھی، رفیق اور نیاز مند دین کی چھوٹی بڑی خدمت کے ارادے سے جمع ہو رہے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے خیال کے مطابق ہم آپ ہی کے ترک کردہ مشن کے لیے اُٹھ رہے ہیں۔ اس شیرازہ بندی سے مقصود ہرگز آپ کی مخالفت نہیں ہے۔ اگرچہ فرمانِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کہ "اَلدِّيْنُ ــــ النَّصِيْحَةُ" کی رُو سے آپ کی جن باتوں کو ہم غلط سمجھتے ہیں اُن پر لامحالہ تنقید کرنی ہوگی تاہم اس سے مقصود سوائے اصلاح کے اور کچھ نہ ہوگا"

مولانا حمید الدّین فراہیؒ کا انتقال بھی راقم کی پیدائش سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ہوگیا تھا۔ اور غالباً ۱۹۵۳ء ۱۹۵۴ء تک راقم مولانا کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ بعد میں جب مولانا امین احسن اصلاحی کی وساطت سے ان سے تعارف ہوا اور ان کی تحریریں بھی دیکھنے میں آئیں اور اُن کے حالاتِ زندگی بھی معلوم ہوئے تو اندازہ ہوا کہ واقعتہً ایک نہایت عظیم ہستی تھی جو نہایت خاموشی کے ساتھ قرآنِ حکیم پر غور و فکر اور تدبّر و تفکّر کی ایک بالکل نئی طرح ڈال کر رخصت ہوگئی۔ اُن کی شخصیّت کا جو ہیولیٰ راقم الحروف کے تصوّر میں اُبھرتا ہے وہ سقراط سے بہت مشابہ ہے۔ ایک حکیم و دانا اور نیک و پارسا انسان جو لوگوں کی تعریف و تحسین اور تنقید و ملامت دونوں سے یکساں بے نیاز ہو اور یا تو خاموش تعقّل و تفکّر میں غرق ہو یا اپنے چند شاگردوں کو نہایت دھیمے طریق پر اور مکالمے کے سے انداز میں اس طرح درس دے رہا ہو جیسے کوئی بزرگ کسی بچّے کی اُنگلی پکڑ کر اسے چلنا سکھاتا ہے اور راقم اسے اپنی بہت بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہے کہ اسے حکیم فراہیؒ کا نہ سہی اُن کے شاگردِ رشید کا قُرب تقریباً رُبع صدی تک حاصل رہا۔

مولانا امین احسن اصلاحی کے ساتھ تعلّق کا آغاز تو مولانا مودودی کی طرح ۱۹۴۷ء ہی میں ہوگیا تھا۔ (بلکہ راقم نے مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی دونوں کو پہلی بار ۱۹۴۶ء میں دارالاسلام پٹھانکوٹ میں دیکھا تھا! جہاں وہ اپنے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کی معیّت میں حاضر ہوا تھا) لیکن ۱۹۵۱ء تک یہ تعلّق کُلیّتہً یک طرفہ تھا یعنی صرف ان کی تقریریں اور درس سُن لینے تک محدُود تھا۔ تا آنکہ نومبر

© rasailojaraid.co

© rasailojaraid.co

۱۹۵۱ء کی ایک شام کو وائی، ایم، سی، اے ہال لاہور میں راقم نے اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر مولانا کے زیرِ صدارت اپنی وہ پہلی عوامی تقریر کی جو اَب تک جمعیت کے دعوتی لٹریچر کا اہم جزو ہے اور "ہماری دعوت اور ہمارا طریقِ کار" کے عنوان سے طبع ہوتی ہے۔ راقم کی اس تقریر کی تعریف و تحسین مولانا نے دل کھول کر فرمائی ــــــ اور یہیں سے وہ 'یک طرفہ تعلّق' باقاعدہ 'دوطرفہ تعلقات' میں تبدیل ہو گیا ــــــ دسمبر ۱۹۵۱ء اور جولائی ۱۹۵۲ء میں جمعیّت طلباء کی دو تربیّت گاہوں میں راقم ناظم کی حیثیت سے شریک رہا اور مولانا معلّم و مربّی کی حیثیت سے' اس سے ان تعلّقات کی گہرائی و گیرائی میں نمایاں اضافہ ہوا ــــــ بعد کے چار سالوں کے دَوران بے تکلّف ملاقاتوں سے یہ تعلّق مزید اُستوار ہوا ــــــ ۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں مولانا نے راقم کے متذکرہ بالا اختلافی بیان کی نہایت شاندار الفاظ میں تصویب و تائید کی۔ اس طرح جماعت میں پالیسی کے بارے میں جو اختلافِ رائے ہوا اس کے ضمن میں بھی ع "ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز" کے مصداق مولانا اور راقم ایک ہی صف میں شامل ہو گئے ــــــ ۱۹۵۸ء میں جب مولانا نے بھی جماعت کو خیر باد کہہ دیا اور کسی نئی تعمیر کی فکر میں 'مشاورتوں' کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی مسلسل ساتھ رہا۔ اور اس سلسلے کا اہم ترین اجتماع عزیز ٹینیریز ہڑپہ میں راقم ہی کے زیرِ اہتمام غالباً چار روز تک جاری رہا لیکن افسوس کہ کوئی متفق علیہ نقشہ نہ بن سکا۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں راقم ان مشاورتوں کی مسلسل ناکامی سے بددل سا ہو کر ڈاکٹر مسعود الدین حسن عثمانی کی دعوت پر بغیر مولانا کو اطلاع دیئے کراچی منتقل ہو گیا تو ایک حد درجہ محبّت بھرا شکوہ مولانا نے اپنے ایک مکتوب میں کیا:

لہ ان 'مشاورتوں' پر ایک نہایت دلچسپ پھبتی اس زمانے میں ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم نے چست کی تھی۔ ہوا یوں کہ ملک صاحب علیل تھے، راقم اور مولانا حکیم عبد الرّحیم اشرف ان کی عیادت کے لیے ان کے پارک لین ٹمپل روڈ والے مکان میں حاضر ہوئے تو باتوں باتوں میں ان مشاورتوں کا ذکر بھی آگیا۔ اس پر ملک صاحب نے یہ لطیفہ سنایا کہ ایک بہت بڑے پیر صاحب نے اپنے خلفا مجازی کی ایک مشاورت طلب فرمائی، اور مشورہ طلب بات یہ پیش کی کہ ع "عمر لیست کہ آوازۂ منصور کہن شد!" آپ لوگوں کا کیا خیال ہے کیا ہم اس کا اعادہ نہ کر دیں؟ ــــــ سب لوگوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی، کسی نے اثبات میں کسی نے نفی میں، ایک صاحب خاموش رہے۔ حضرت نے ان سے براہِ راست استفسار کیا تو انہوں نے مؤدبانہ گذارش کی کہ "حضرت میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا منصور نے بھی وہ اقدام کسی سے مشورہ لے کر کیا تھا!"

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"آپ کے اس خفیہ اقدام کی اطلاع سیال صاحب سے مجھے ہو چکی تھی۔ بہرحال جو کچھ آپ نے کیا اچھا کیا۔ خدا کرے آپ کے مقاصد وہاں پورے ہوں اور آپ کو وہاں دلجمعی کے ساتھ کچھ لکھنے پڑھنے کی فرصت ملے۔ ڈاکٹر صاحب کی رفاقت ان شاء اللہ آپ کے لیے موجبِ خیر و برکت ہوگی۔ فرزانوں کے ساتھ نباہ مشکل ہوتا ہے، دیوانے گذار لے جاتے ہیں۔ آپ دونوں دیوانے ہیں۔ خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ مجھے جو احساس ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپ مجھ سے دور ہو گئے آپ سے ایک قلبی لگاؤ سا ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے اس بات سے تھوڑی سی تکلیف ہے کہ میں نے جتنا ہی کھینچنا چاہا اتنے ہی آپ کھنچتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ کھنچتے کھنچتے کراچی پہنچ گئے۔ خیر صاحب جہاں رہو سلامت رہو اور دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھو۔۔۔!"

۱۹۵۹ء میں اس خیال سے کہ محض ایک سابقہ تعلّق کی بنیاد پر نئی تعمیر ممکن نہیں ——— اس کی فکری اساسات کو تفصیل کے ساتھ واضح کیا جانا چاہیئے۔ مولانا نے ماہنامہ 'میثاق' جاری فرمایا تو راقم اس کے اوّلین معاونین میں بھی شامل تھا اور بعد میں بھی مقدور بھر اعانت کرتا رہا اور دوسری طرف کراچی سے والد صاحب مرحوم کی علالت کے باعث واپسی پر ۱۹۶۰ء میں راقم نے منٹگمری (حال ساہیوال) میں ایک اسلامی ہاسٹل قائم کیا اور حلقۂ مطالعۂ قرآن کی داغ بیل ڈالی تو مولانا نے راقم کے ان کاموں میں بھرپور تعاون فرمایا۔ ہاسٹل کی تجویز پر ایک مفصّل تائیدی شذرہ 'میثاق' میں تحریر فرمایا اور حلقۂ مطالعۂ قرآن منٹگمری کی دعوت پر تقریر کے لیے دوبار ساہیوال کے سفر کی زحمت برداشت کی!

۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک تقریباً چار سال راقم نے دوبارہ ایک دوسرے سلسلے میں کراچی میں بسر کیے۔ اور اس عرصے میں راقم کا رابطہ مولانا سے بہت کم رہا۔ مولانا نے اس دَوران میں بعض دوسرے احباب کے ساتھ مل کر 'مجلسِ دعوت و اصلاح' کی داغ بیل ڈالی۔ لیکن نہ تو یہ بیل ہی منڈھے چڑھی نہ ہی اجتماعی کام کا کوئی اور نقشہ تیار ہو سکا۔ اس سے بددل ہو کر مولانا نے ذاتی طور پر 'حلقۂ تدبّرِ قرآن' قائم فرمایا اور اپنی ساری توجّہات چند نوجوانوں کی تعلیم و تربیّت پر مرکوز کر دیں۔ دوسرے احباب سے ان دنوں مولانا کا رابطہ کمزور پڑتے پڑتے معدوم کے حکم میں آگیا۔ جس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ 'میثاق' نے پہلے تو کچھ عرصے تک ہچکیاں لیں اور بالآخر بالکل دم توڑ دیا ——— یہ حالات تھے جب راقم ۱۹۶۶ء میں دوبارہ واردِ لاہور ہوا۔ میثاق بند پڑا تھا، تفسیر کی جلد اوّل تیار تھی لیکن اس کی طباعت و اشاعت کی کوئی سبیل دُور دُور تک نظر نہ آتی تھی۔ 'حلقۂ تدبّرِ قرآن' میں جن نوجوانوں پر مولانا نے شدید محنت کی تھی وہ سب بسلسلۂ روزگار تتّر بتّر ہو گئے تھے۔ ایک صاحب کسی ٹریننگ کے سلسلے میں انگلستان جا

© rasailojaraid.co

پیچھے تھے دوسرے صاحب کا تبادلہ ڈھاکہ ہو گیا۔ بعض دوسرے لوگ بددل ہو گئے تھے۔ الغرض بالکل ع

"دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا"

والا سماں تھا ——— خود راقم کے سامنے لاہور نقلِ مکانی میں دو مقصد تھے: ایک 'حلقۂ تدبّرِ قرآن' میں شرکت اور مولانا کے سامنے باضابطہ زانوئے تلمذ تہ کر کے ان سے استفادہ اور دوسرے اس اصل تحریکِ اسلامی کے احیاء کی سعی جو راقم کے خیال کے مطابق جماعتِ اسلامی کے انتقالِ توقف کے باعث مردہ ہو چکی تھی ——— لاہور آکر اندازہ ہوا کہ مولانا 'حلقۂ تدبّرِ قرآن' سے بھی بددل ہو چکے ہیں اور اس نہج پر از سرِ نَو محنت کی ہمّت اپنے اندر نہیں پاتے ——— اور اب سارا وقت اور ساری محنت تفسیر کی تسوید پر صرف کر دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا راقم کا پہلا مقصد تو فوت ہو گیا لیکن ہمّت کر کے 'تدبّرِ قرآن' کی جلد اوّل اس نے شائع کر دی اور مولانا نے از راہِ شفقت اس زمانے میں بارہا نہ صرف راقم سے کہا بلکہ دوسرے بہت سے احباب و رفقاء کے سامنے فرمایا "کہ اِس کا مجھ پر ذاتی احسان ہے"! راقم کے سامنے اصل مسئلہ یہ تھا کہ اگر جلد اوّل شائع نہ ہوئی تو آگے لکھنے پر مولانا کی طبیعت مائل نہیں ہوگی اور یہ کام ادھورا رہ جائے گا ———

دوسرے مقصد کے ضمن میں راقم نے اوّلاً مولوی محی الدّین سلفی مرحوم کی تحریک پر اور ان کے تعاون سے اپنا اختلافی بیان "تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے شائع کیا۔ اور بعد ازاں ایک باضابطہ دعوت کے آغاز کے لیے 'الرّسالہ' کے نام سے ایک ماہنامے کا ڈیکلیریشن حاصل کر لیا۔ مولانا کو جب اس کی اطّلاع ملی تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی نیا رسالہ جاری کرنے کی بجائے 'میثاق' ہی کو سنبھال لو، مَیں تو اسے جاری نہیں رکھ سکتا۔ تم شائع کرتے رہو گے تو کم از کم اس کا نام تو رہے گا۔ 'اِمْتِثَالاً لِلْاَمْر' راقم نے بہت دوڑ دھوپ سے حاصل کیا ہوا ڈیکلریشن ضائع کر دیا اور اگست ۱۹۶۶ء سے "زیر سرپرستی مولانا امین احسن اصلاحی" میثاق کی ادارت سنبھال لی۔

۱۹۶۶ء، ۱۹۶۷ء کے دوران 'میثاق' کے ذریعے راقم نے ایک طرف تو یہ واضح کیا کہ ۱۹۵۶ء ۱۹۵۷ء میں جماعتِ اسلامی میں جو اختلافِ رائے واقع ہوا تھا اس کی اصل نوعیّت کیا تھی اور علیٰحدہ ہونے والے علیٰحدگی اختیار کرنے پر کس طرح مجبور کر دیئے گئے تھے ——— اور دوسری طرف علیٰحدہ ہونے والوں کو للکارا کہ اگر وہ جماعتِ اسلامی میں کسی شخصی عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ 'فریضۂ

© rasailojaraid.com

اقامتِ دین کی ادائیگی کے لیے شامل ہوئے تھے تو جماعت سے علیحدگی سے وہ فرض تو ساقط نہیں ہو گیا۔ ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے مجتمع ہو کر جدّوجُہد کریں۔ اس کا بحمد اللہ خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور اواخر ۱۹۶۷ء میں جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے بعض احباب کا ایک اجتماع رحیم یار خاں میں منعقد ہوا جس میں "ایک نئی دینی تنظیم" کے قیام کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس اجتماع میں مولانا بھی شریک تھے اور انہوں نے اس موقع پر بھی حسبِ عادت نہایت فراخدلی سے ان لوگوں کو خراجِ تحسین اور ہدیۂ تشکر پیش کیا تھا جنہوں نے انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے مندرجۂ ذیل الفاظ راقم نے ستمبر اکتوبر ۱۹۶۷ء کے 'میثاق' کے کور پر نمایاں حیثیّت سے شائع کیے تھے:

"عزیز ساتھیو!

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ نے ایک جماعتی نظم کے قیام کی قرارداد پر اتفاق کر لیا۔ مَیں اس پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کے لیے عزم و ہمّت عطا فرمائے اور ہمیشہ ہماری دستگیری اور رہنمائی فرمائے۔ مَیں اس موقع پر آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ ہر چند اس کی ضرورت اور اہمیّت مجھ پر واضح تھی لیکن میں دو سبب سے اس قسم کی کسی ذمّہ داری سے گریز کرتا رہا۔ ایک تو یہ کہ اب میرے قویٰ ضعیف ہو رہے ہیں کوئی بھاری بوجھ اٹھانا میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ دوسرا یہ کہ زندگی کے آخری دَور کے لیے اپنے ذوق کے مناسب جو کام مَیں نے تجویز کر لیا تھا اب وقت و فرصت کا لمحہ لمحہ اسی پر صَرف کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوستوں کے شدید اصرار بلکہ دباؤ کے باوجود مَیں خود اس کے لیے پہل کرنے کی ہمّت نہیں کر سکا۔ دوستوں نے جب کبھی اس فریضہ کی اہمیّت کی طرف توجّہ دلائی، میں ان کے دلائل کا تو انکار نہ کر سکا لیکن اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں پر نگاہ کر کے ان کی بات کو ٹالتا ہی رہا۔ مَیں یہ بھی محسوس کرتا رہا کہ اگرچہ میرے اوقات تمام تر دینی و علمی کاموں ہی میں بسر ہو رہے ہیں تاہم معاشرے سے متعلق مجھ پر جو فریضہ عائد ہوتا ہے اس میں مجھ سے کوتاہی ہو رہی ہے جس کے سبب سے نہ صرف میری بعض صلاحیتیں سکڑ رہی ہیں بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس پر مجھ سے مواخذہ ہو۔ ان تمام احساسات کے باوجود میں اپنے آپ کو معذور سمجھتا رہا جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو معذور سمجھنے میں بڑا فیاض ہوتا ہے۔

بہرحال اب میں پورے شرحِ صدر کے ساتھ اس کام میں شریک ہوتا ہوں اور ان تمام دوستوں کا دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس عظیم فرض کی اہمیّت کو سمجھا اور ہم سب کو اس کے سمجھانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے"۔ "امین احسن اصلاحی"۔

لیکن افسوس کہ سابقہ تمام مساعی کی طرح یہ کوشش بھی بالکل ع "اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار

© rasailojaraid

ہم ہوتے" کے سے انداز میں ناکام ہو کر رہ گئی۔

یہ دَور راقم کی زندگی میں ایک اہم موڑ (TURNING POINT) کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے کہ اس وقت راقم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب کسی 'بڑے' کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہے۔ اور کوئی چلے نہ چلے اور ساتھ دے نہ دے تن تنہا چلنا پڑا تب بھی سفر کا آغاز بہر حال کرنا ہے۔ گویا ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۷ء دس سال مولانا مودودی کے ساتھ اور ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۸ء دس سال مولانا اصلاحی کے ساتھ راقم کلّیتہً وکاملۃً وابستہ رہا۔ لیکن ۱۹۶۸ء سے (لگ بھگ چھتیس برس کی عمر میں) اس نے آزادی کے ساتھ اپنی ڈگر پر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم بحمداللہ راقم اپنے ماضی سے منقطع نہیں ہوا اور اس نے ایک جانب حلقہ ہائے مطالعہ قرآن پر اپنی تمام تر مساعی صرف کر دیں اور ان کے ذریعے اصلاً قرآن کی اس انقلابی دعوت کا پرچار کیا جس کے برّصغیر میں موجودہ صدی کے داعئ اوّل تھے مولانا ابوالکلام آزاد اور جس کے تسلسل کو برقرار رکھا تھا مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اور دوسری جانب 'دارالاشاعت الاسلامیہ' کے ذریعے اپنے جملہ وسائل و ذرائع کو کھپا دیا مولانا فراہیؒ اور مولانا اصلاحی کی تصانیف کی اشاعت کے ذریعے تدبّرِ قرآن کے اس اسلوب کی ترویج و اشاعت میں جس کے بانی ہیں مولانا حمید الدّین فراہیؒ اور شارح ہیں مولانا امین احسن اصلاحی ——— لیکن اب چونکہ راقم کسی ایک لکیر کا فقیر نہیں رہا تھا لہٰذا اس کی 'سوچ' کے دوسرے اجزائے ترکیبی بھی منے آنے لگے۔ اور ۱۹۶۸ء سے 'میثاق' میں 'افاداتِ فراہیؒ' اور 'تدبّرِ قرآن' کے ساتھ ساتھ نہ صرف مولانا سندھی مرحوم کے تذکرے اور ڈاکٹر رفیع الدّین مرحوم کے 'منشورِ اسلام' بلکہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے "ربّانیہ لا رھبانیّہ" اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے "حقیقتِ تصوّف" اور "تاریخِ تصوّفِ اسلامی" ایسے مضامین کو بھی جگہ ملنے لگی۔ اور یہی مولانا اصلاحی کی راقم الحروف کی جانب سے گرانئ طبع کا سبب اوّل بن گئی۔ اس لیے کہ مولانا برملا فرمایا کرتے ہیں کہ "میں تصوّف کو کُل کا کُل ضلالت و گمراہی سمجھتا ہوں"! چنانچہ مولانا نے راقم سے مشفقانہ انداز میں فرمانا شروع کیا کہ "عزیزم! تمہارے بارے میں مجھے دو اندیشے لاحق ہیں۔ ایک یہ کہ تم انتہائی ذہین ہو اور دوسرے یہ کہ تمہارے اندر تصوّف کی لٹک موجود ہے"! راقم اسے ہنس کر ٹال دیتا رہا اور مولانا کی مروّت و شرافت کہ وہ تعلّقات کو (اپنے بعض شاگردوں اور احباب کی شدید سرگرانی کے علی الرّغم) نباہتے رہے!

© rasailojaraid

۱۹۷۲ء کے دوران اِدھر تو مولانا علیل ہو گئے اور ان کی علالت تشویشناک صورت اختیار کر گئی اور اِدھر راقم کے حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن وسعت اختیار کر گئے اور اُس کے اعوان و انصار کا ایک خاصا بڑا حلقہ وجود میں آ گیا اور بالکل فطری طور پر کسی باقاعدہ ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے تحت کم از کم مالی اُمور منضبط کیے جا سکیں۔ یہی ضرورت تھی جس کے تحت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ راقم اس سے بہت پہلے گہرے غور و خوض کے بعد اس حتمی نتیجے تک پہنچ چکا تھا کہ کسی دینی تنظیم میں شورائیت اُس جمہوری طرز کی نہیں ہونی چاہیے جس میں بقول علّامہ اقبال مرحوم ؎ " بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"! بلکہ اُس طرز کی ہونی چاہیے جو اسلام کے نظامِ امارت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو۔ جس میں امیر صرف دستوری صدر نہیں بلکہ صاحبِ امر ہوتا ہے۔ چنانچہ بلا خوفِ لومۃ لائم راقم نے اپنے اس خیال کو تحریر و تقریر دونوں طور پر
© rasailojaraid.c
عام بھی کیا اور انجمن کا مجوزہ دستوری خاکہ بھی اسی نہج پر تیار کیا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جیسے ہی یہ ڈھانچہ 'میثاق' میں شائع ہوا، مولانا بھی بفضلہٖ تعالےٰ صحت یاب ہو گئے۔ اب جو اُن کے علم میں یہ خاکہ آیا تو وہ سخت برہم ہوئے اس لیے کہ اس معاملے میں بھی راقم کی اور ان کی رائے کے مابین بُعد المشرقین پایا جاتا ہے نتیجتاً وہ دو طرفہ تعلّقات جو بیس سال سے نہایت خوشگوار چلے آ رہے تھے ایک شدید بحران (CRISIS) سے دوچار ہو گئے۔ بعض احباب نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی لیکن راقم نے صاف عرض کر دیا کہ اُس کی بھی یہ سوچی سمجھی رائے ہے اور اب اس میں تبدیلی صرف اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ اسے دلیل سے قائل کر دیا جائے۔ محض پاسِ ادب اور لحاظِ بزرگی کی بنا پر وہ اپنی رائے تبدیل نہیں کرے گا۔ چنانچہ " هٰذا فراق بيني وبينك " کا آغاز ہو گیا اور اس کے پہلے قدم کے طور پر طے پایا کہ 'میثاق' کے سرورق پر سے " زیرِ سرپرستی مولانا امین احسن اصلاحی " کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں۔ تاہم یہ مولانا کی عالی ظرفی ہے کہ اس کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ ذاتی تعلّقات برقرار رہے بلکہ جزوی تعاون بھی جاری رہا۔

مارچ ۱۹۷۳ء سے انجمن خدام القرآن کی سالانہ قرآن کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اس میں راقم نے تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو صدارت یا خطاب کے لیے دعوت دی جسے ان کی اکثریت نے ازراہِ شفقت و عنایت منظور فرما لیا۔ یہ چیز راقم کے اور مولانا کے مابین مزید بُعد و فصل کا سبب بن گئی۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ان کا فرمانا یہ تھا کہ "ان مولویوں کو سر پر بٹھا کر کیا لینا ہے ہ ان ہی کے خیالات و تصوّرات کی تو ہمیں تردید کرنی ہے!" راقم نے اسے بھی خاموشی سے سنا اَن سنا کر دیا اس لیے کہ اُس کی طبیعت کا رُخ جیسا کہ اُوپر تفصیل سے بیان ہو چکا، بالکل دوسرا ہے۔ تاہم اُس نے محسُوس کر لیا کہ اب مولانا کے مزاج میں تلخی بڑھتی جا رہی ہے۔

جولائی ۷۴ء میں راقم نے اعلان کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ یہ چھوٹی سی تحریکِ اسلامی جس کا آغاز 'دعوتِ رجوع الی القرآن' سے ہوا تھا اور جس نے پہلی تنظیمی ہیئت 'انجمن خدام القرآن' کی صورت میں اختیار کی بھی اگلے تنظیمی مرحلے میں قدم رکھے اور ٹھیٹھ دینی اصُولوں پر جماعت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جس کا ہیولیٰ راقم کے پیشِ نظر وہی تھا جو ۶۷ء میں اجتماع رحیم یار خاں میں طے پایا تھا۔ چنانچہ 'میثاق' کی ستمبر، اکتوبر اور نومبر ۷۴ء کی اشاعتوں میں راقم نے اپنی جولائی ۷۴ء والی تقریر اور تنظیم اسلامی کا مجوّزہ والا خاکہ ایک طویل اداریے سمیت شائع کر دیا۔

© rasailojaraid.c

اس موقع پر راقم مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا نے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ ——— 'پرچہ کل ہی ملا تھا، میں نے رات ہی پورا پڑھ ڈالا۔ اور رات کے دو بجے تک لالٹین کی روشنی میں اسے پڑھتا رہا۔ تم نے خلا کی نشاندہی بالکل صحیح کر دی ہے۔ اور کرنے کا کام بھی ٹھیک متعیّن کر دیا ہے البتہ تم نے بہت بھاری بوجھ اٹھا لیا ہے اور ایک بڑی ذمّہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے اندر اس کی ہمّت نہ تھی۔ لیکن اب جبکہ تم نے یہ بوجھ اُٹھا ہی لیا ہے تو مَیں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ تم اس میں ناکام ہو بلکہ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے ——— اس لیے کہ میں ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اگر خود کوئی کام نہیں کر سکتے تو کسی دوسرے کو کرتا بھی نہیں دیکھ سکتے۔ ۔ ۔ ۔ '

مولانا کا یہی وہ حوصلہ افزا طرزِ عمل تھا جس سے راقم کو جرأت ہوئی کہ مارچ ۷۵ء میں جب تنظیم اسلامی کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔ اور اس کا دستور طے پایا تو اس میں ایک 'حلقۂ مستشارین' بھی رکھا گیا۔ جس کی زبانی اطلاع پر تو مولانا نے شیخ جمیل الرّحمان صاحب اور کراچی کے بعض دوسرے رفقاء سے یہ فرمایا کہ "آپ لوگوں نے یہ بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے یہ خدمت میں بخوشی سرانجام دوں گا" لیکن جب باقاعدہ تحریری صوُرت میں وہ خاکہ اُن کے سامنے آیا تو انہوں نے اس میں شمولیّت سے

© rasailojaraid.c

انکار فرما دیا۔

اس کے بعد بھی لگ بھگ ایک سال تک مولانا کی خدمت میں راقم کی حاضری کا سلسلہ جاری رہا۔ جنوری ۱۹۷۶ء میں "قرآن اکیڈمی" کی تعمیر کے آغاز کا مرحلہ آیا اور ساتھیوں نے اس موقع پر ایک اجتماعی دعا کا پروگرام بنایا تو اُس میں شرکت کی دعوت راقم نے مولانا کو بھی دی۔ جسے انہوں نے کمال شفقت و مروّت سے منظور فرما لیا۔ اور وہ اپنے خویش کلاں نعمان علی صاحب کی معیّت میں تشریف لائے۔ لیکن بعد میں بعض حضرات سے سننے میں آیا کہ مولانا نے فرمایا کہ "میری طبیعت بالکل آمادہ نہ تھی لیکن جب اس نے کہا تو میں انکار نہ کر سکا اور مجبوراً شریک ہو گیا"۔ راقم کی اصل مشکل یہ تھی کہ مولانا سے ملنا جلنا بھی ہو اور پھر انہیں اپنے کاموں میں شرکت کی دعوت نہ دی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ رہے سہے تعلّق کو خود راقم نے ختم کر دیا۔

اسی سلسلہ میں راقم نے مارچ ۱۹۷۶ء میں تیسری سالانہ قرآن کانفرنس میں شرکت کی دعوت مولانا کو دی اور حسبِ سابق اسے بھی مولانا نے منظور فرما لیا لیکن بعد میں اپنے بعض دوستوں اور شاگردوں کے اصرار پر شرکت سے انکار کر دیا ـــــــ یہ گویا ان دو طرفہ تعلّقات کے ضمن میں اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہوا اور راقم نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ مولانا کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ بھی بند کر دیا جائے تاکہ وہ بار بار اس طرح کی پریشان کن صورتِ حال سے دوچار نہ ہوں۔ اور اس طرح ربع صدی پر پھیلے ہوئے وہ تعلّقات اختتام پذیر ہو گئے جو پورے بیس سال نہایت گرم جوشی کے ساتھ قائم رہے اور بعد ازاں ع "کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی" کے مصداق پورے پانچ سال میں رفتہ رفتہ کم ہو کر اس حد کو پہنچے کہ وہی صُورت پیدا ہو گئی کہ ؎

بس اتنا سا تعلّق اب ان سے رہ گیا ہے ـــــ وہ مجھ کو جانتے ہیں، مَیں ان کو جانتا ہوں!

قرآن حکیم کی مقدّس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid